Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.103, 2016 pp 67 - 74

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، اپریل۔جون ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۳

کشمیری تھیٹر پر ایک نظر

ڈاکٹر سید علی رضا ☆

Abstract:

Kashmir's history is replete with colorful multidimensional cultural aspects of several races since the ancient times. Theatre is an integral part of Kashmiri culture which has a glorious status in history and it was very popular and well recognized in the Kashmiri society since its inception. With the passage of time, this genre of Kashmiri culture faced many ups and down but managed and continued thriving 21st century. The article comprises brief historical facts of Kashmiri theatre and also highlights its different phases of progress in Kashmir since pre-Islamic period to present century.

Key Words: Baand Pathar, Opera, Nilmat Puran, Jashn-e-Tamseel Laltadet, Rajtarangni.

کشمیر کا خطہ زمانہ قدیم سے مختلف فنون کی آبیاری کے لیے پوری دُنیا میں مشہور رہا ہے۔شاعری ہو یا موسیقی، سنگتراشی ہو یا فن تعمیر، دستکاری ہو یا کوئی اور فن، غرض ہر میدان میں کشمیری پیش پیش رہے۔تواریخ کی مختلف کتابوں کے مطالعہ کے بعد کشمیر کے متنوع فنون کے ساتھ ساتھ کشمیری تھیٹر کے اتار چڑھاو کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے۔کشمیری تھیٹر کے بارے میں جو روایات ہم تک پہنچ چکی ہیں اُن کے مطابق یونانی تھیٹر کی طرح کشمیری تھیٹر بھی مذہبی عقیدے کے اظہار کے طور پر ظاہر ہوا۔اس حوالہ سے امتیاز علی تاج لکھتے ہیں:

> ”عوام نے اپنی دلچسپی اور تفریحی شوق کی تسکین کے لیے رام لیلا، کرشن لیلا اور اسی طرح کے دوسرے مذہبی، عشقیہ اور معاشرتی کھیلوں کا سہارا لیا۔“[1]

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ کشمیریات، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

جہاں اُردو زبان کے علاوہ قدیم زبانوں کے کھیلوں میں مذہبی و تہذیبی عناصر ملتے ہیں وہیں کشمیری زبان کے ابتدائی تھیٹر میں تہذیبی عناصر بھی عام ہیں۔ اس سلسلے میں اشوک جیلخانی لکھتے ہیں:

''ہر قوم اور ملک کا اپنا ایک تہذیبی سرمایہ ہوتا ہے اور وہی سرمایہ اُس قوم کو آڑے وقتوں میں سنبھالتا ہے۔ کشمیر کے تھیٹر میں بھی کشمیری تہذیب کا عنصر موجود ہے۔ کشمیر میں تھیٹر کی روایت کافی پرانی ہے۔ کلہن پنڈت کے مطابق یہ روایت بھانڈ پاتھر سے شروع ہوتی ہے۔''[۲]

کشمیری تھیٹر کی ابتدائی شکل کچھ بھی ہو اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ہر ایک فن زمانے کے نشیب و فراز کو طے کرتے کرتے آہستہ آہستہ اپنی ہیئت کو بدلتا رہتا ہے۔ کشمیری تھیٹر کی ہیئت بھی مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ اس صنف کو کشمیر میں کئی تشکیلی مراحل کا سامنا رہا۔ کھیل سے بھانڈ پاتھر، بھانڈ پاتھر سے ناٹک، ناٹک سے تھیٹر، تھیٹر سے اوپیرا، اوپیرا سے ریڈیو اور ٹی وی ڈرامہ۔ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ میں ان تشکیلی مراحل کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کشمیری تھیٹر کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے۔ یہ صنف کشمیر میں زمانہ قدیم ہی مختلف سیاسی و سماجی مسائل سے دوچار ہونے کے باوجود بھی تا حال کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بحال رکھے ہوئے ہے۔ درج ذیل میں کشمیری تھیٹر کا زمانہ قدیم سے تا حال جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نیل مت پوران سے اس بات کی گواہی ملتی ہے کہ کشمیر میں ہر سال تین بار جشن تمثیل کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ جشن تمثیل منانے سے یہ مطلب ہے کہ ان دنوں بھی مختلف ڈرامہ منڈلیاں ڈرامہ کھیلا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ موسیقی کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ کلہن کی راج ترنگنی کے مطابق یشو ورمن ''رام ابیاد'' ڈرامے کا تخلیق کار تھا۔[۳] یہ ڈرامہ کشمیر میں بہت ساری جگہوں پر کھیلا گیا اور بہت مقبول بھی ہوا۔ راجہ للتادتیہ کے دورِ حکومت میں فنون لطیفہ کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔ راجہ رقص اور پرتاب دتیہ ڈرامہ اور رقص کے اتنے شیدائی تھے کہ اُنہوں نے رقاصاؤں سے شادیاں رچائیں۔

عہدِ سلاطین میں ایسی تمام سرگرمیوں پر پابندیاں لگائی گئی جو اسلامی اصول کے منافی تھیں۔ رقص، ناٹک اور فنِ موسیقی پر بھی ایک جمود طاری ہوا مگر یہ جمود اس وقت ٹوٹ گیا جب زین العابدین بڈشاہ کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ مختلف فنون سے وابستہ فنکاروں کے واردِ کشمیر ہونے کے بعد یہاں مختلف فنون نے کافی عروج پایا۔ ڈرامہ کھیلنے کے لیے کھلے میدانوں کا انتخاب کیا جاتا تھا اور لوگ بڑی تعداد میں ان ڈراموں کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ سید مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں:

''ان تماشوں اور کھیلوں کے لیے نہ کوئی مخصوص عمارت ہوتی تھی اور نہ کوئی باقاعدہ اسٹیج ہوتا

تھا بلکہ یہ میدانوں یا سڑکوں پر کھیلے جاتے تھے۔ان کی مروجہ صورتیں سوانگ، بہروپ اور نوٹنکی وغیرہ تھیں۔''۴

بادشاہ زین العابدین بڈ شاہ کے دورِ حکومت کے بعد کشمیر میں ادبی سرگرمیاں کسی حد تک جاری رہیں مگر اس کے بعد چک حکمرانی تک ان سرگرمیوں پر جمود طاری رہا۔ چک دور میں اگرچہ فن موسیقی نے کافی ترقی کی مگر تھیٹر بہت پیچھے رہا۔مغلوں اور سکھوں کے دور تک کشمیر کا ثقافتی میدان نہایت ہی ٹھنڈا رہا اور تھیٹر تقریباً نابود سا ہو گیا۔ڈوگرہ شاہی میں بھی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی مگر یہاں کے بھانڈ گاؤں گاؤں جا کر لوک تھیٹر کی روایت کو زندہ رکھنے کی کوششیں کرتے رہے۔کشمیر تھیٹر اور ڈرامہ کے بارے میں ڈاکٹر یوسف بخاری کی رائے کچھ یوں ہے:

''حقیقت میں کشمیری نثر کا دوسرا دور یقیناً اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جب کشمیر میں تھیٹر نے کام شروع کیا۔ہمارے لوگوں کا پنجاب میں آنا جانا تو تھا ہی اس کے اثرات جب کشمیر پر بھی لازمی تھے۔آغا حشر کے ڈرامے ہندوستان میں تہلکہ مچا چکے تھے۔کشمیر میں بھی اُردو ڈراموں کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان میں ڈرامہ کی ابتدا اسلامیہ ہائی سکول میں تفریح وصفائی کے موضوع سے سٹیج شدہ ڈرامہ سے ہوئی۔کشمیری زبان میں یہ ڈرامہ پارسی تھیٹریکل کمپنیوں کے ردعمل کا نتیجہ تھا۔اس کی دیکھا دیکھی سری نگر میں گاؤ کدل کے قریب ایک پیشہ ور ڈرامہ کمپنی کھولی گئی جس کا بانی ویدلال در تھا۔یہ ڈرامے اگرچہ کشمیر کی نثری روایات میں کوئی نئے نہ تھے کیونکہ بڈ شاہ کے دور میں یودھ بٹ نے ''زینہ پرکاش'' ڈرامہ کشمیری زبان میں لکھا تھا اور پھر یہی ڈرامہ آگے چل کر مختلف روپ اختیار کر گیا۔کشمیر میں بھانڈ یا بھگت (شاخسار) جو کھیل تماشہ کرتے ہیں یہ ڈرامہ کی وہ شکل ہے۔ان میں پلہالن، وایگام، کے بھانڈ بھی بڑے فنکار تسلیم کیے جاتے ہیں۔''۵

ناٹک کمپنیاں کشمیر میں کس طرح پہنچی اور اُنہوں نے یہاں تھیٹر میں کیا کردار ادا کیا اس سلسلے میں بحوالہ پاکستان میں اُردو، پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''ناٹک کمپنیاں تجارتی ادارے رہے ہیں لیکن اُن کے کام کا ایک تہذیبی وادبی پہلو بھی ہے۔اہل جموں کے ذوق وشوق کی بدولت اکثر پارسی ناٹک کمپنیوں کو بار ہا وہاں آنے اور اپنے تماشے پیش کرنے کی خواہش رہتی تھی۔ان تماشوں میں عوام اور خواص بڑے شوق سے شریک ہوتے تھے او راس وسیلے سے بھی اُن کے ذوق شعر وادب کی آبیاری ہوئی اور وہ پروان چڑھا۔جس کی مثال

ڈرامہ اور اسٹیج پر پہلی کتاب ''ناٹک ساگر'' کشمیر سے ہی ہے۔''[6]

مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات با آسانی کہی جاسکتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے تینوں بڑے ثقافتی مراکز وادی کشمیر، جموں اور پونچھ جدید ادب سے پہلے لوک ادب کو زندہ کرر کھے ہوئے ہیں۔ یہاں کی تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ یہاں پہلے بھانڈ اور مختلف قسم کی نقلیں اُتارنے والے لوگ موجود تھے جن کو کشمیری زبان میں پاتھر کہتے ہیں۔ یہ لوگوں گاؤں گاؤں جا کر مختلف میلوں ٹھیلوں اور تہواروں پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ہندوستان کی طرح یہاں بھی راس، رام اور کرشن لیلائیں رچائی جاتی تھیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر برج پریمی لکھتے ہیں:

''بھانڈ اورنگ زیب کے عہد میں گانے بجانے، نقلیں اُتارنے اور سوانگ رچانے کا کام بطور پیشہ کرتے تھے اور بازاروں میں گھوم پھر کر تماشائیوں کو جمع کرتے اور نقلیں دکھا کر روزی کماتے تھے۔ یہ بھانڈ کشمیر سے آتے تھے اور گانے بجانے اور نقالی میں بڑی قدرت رکھتے تھے۔''[7]

۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۳ء تک کشمیر کی تھیٹر تحریک میں تیزی آنے لگی اور نئے نئے ڈرامہ نگار سامنے آنے لگے جن میں غلام نبی دلسوز، تارا چند بسمل اور نیل کنٹھ شرما قابل ذکر ہیں اور اس دوران ۱۹۲۹ء میں ''ستیچ کہوٹ'' کے نام سے تھیٹر کے لیے ڈرامہ لکھا گیا جو فنی لحاظ سے مکمل تھا یوں ایک جوں بعد میں کمرشل ڈرامہ کے لیے بھی موزوں تھا۔[8] اس کے علاوہ ۱۹۳۱ء میں اسلامیہ ہائی سکول نے عبدالقدیر کے واقعہ پر ایک ڈرامہ سٹیج کیا جس نے تھیٹر کی ہیئت کو تبدیل کرنے میں بھر پور مدد کی۔ ۱۹۳۶ء میں ''ھیچ وتھ''، ''اکھ نندن''، ''رام راج''، ''ساوتری'' اور ''سینہ ون'' جیسے تھیٹریکل ڈراموں نے یہ ثابت کر دیا کہ کشمیری ڈارمہ کسی بھی لحاظ سے اُردو ڈرامہ سے کم نہیں ہے۔ اس کے بعد کشمیر زبان میں مختلف موضوعات کے تحت ڈرامے لکھے جانے لگے۔[9]

۱۹۳۷ء میں پروفیسر محی الدین حاجنی نے ''گریسی سُندگر'' نامی تھیٹریکل ڈرامہ لکھا، یہ ڈرامہ کشمیر کی تھیٹریکل تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''گریسی سندگر'' کشمیر زبان کا پہلا مکمل نثری ڈرامہ ہے جو اس وقت کے ظالم حکمرانوں کا منہ پر ایک زوردار طمانچہ تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پریم ناتھ پردیسی، امین کامل اور علی محمد لون نے کئی تھیٹریکل ڈرامے لکھے جو مختلف علاقوں میں کامیابی کے ساتھ کھیلے گئے۔[10]

۱۹۵۲ء پرتھوی راج کپور اپنے ناٹک ٹروپ کے ہمراہ واردِ کشمیر ہوا اور یہاں پر اپنے دو ناٹک ''پٹھان'' اور ''پیسہ'' اسٹیج کیے۔ اس کے ساتھ ہی کشمیر میں ایک نئے تھیٹر ''کمیونٹی تھیٹر''[11] کا آغاز ہوا جو

قومی یکجہتی کے جذبے کے تحت تھیٹریکل ڈرامے لکھواتا اور پیش کراتا تھا۔ محکمہ انفارمیشن کی جانب سے جشن کشمیر کا سلسلہ شروع ہوا تو ریاست میں ایک تمدنی انقلاب آیا۔ جشن کشمیر کے تحت مختلف تمدنی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اچھے اچھے تھیٹریکل ڈرامے بھی پیش کیے گئے جن کا موضوع جاگیرداری نظام کی خرابیاں، آزادی کی برکتیں اور آپسی بھائی چارہ ہوا کرتا تھا۔ اس تمدنی انقلاب نے کشمیر کو وہ ادیب، شاعر اور فنکار دیئے جن کے نام آج بھی ہمارے آسمان ادب پر روشن ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔ ان میں دینا ناتھ نادم، نور محمد روشن، پران کشور، رحمان راہی، اختر محی الدین، علی محمد لون، امین کامل، ہردے کول بھارتی، محمد احسن احسن اور شمیم احمد شمیم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ریاستی کلچرل اکادمی کے قیام کے بعد کشمیر میں تھیٹر کو ایک خاص مقام ملا۔ اکادمی کی مالی معاونت سے ریاست کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں ادبی اور ثقافتی انجمنیں وجود میں آئیں جن میں سے اکثر نے تھیٹر کی طرف خاص توجہ دی۔ اکادمی نے سالانہ جشن تمثیل گروپ کا سلسلہ شروع کیا جن میں مختلف تھیٹر گروپ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ دوسری جانب ریڈیو کشمیر سری نگر نے بھی ڈرامہ کی ترقی میں اپنا رول نہایت ہی احسن طریقے سے نبھایا، ریڈیو سے نئے نئے ڈرامہ نویسوں اور ڈرامہ اداکاروں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔ ریڈیو کی جانب سے بھی کئی تھیٹر ڈرامہ مقابلہ کئے گئے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں کئی اہم تھیٹر ڈرامے لکھے گئے جن میں دینا ناتھ نادم کی میوزیکل اوپیرا ''بومبر تہ یمبر زل'' نیکی تہ بدی،، ہی مال ناگرائے اور علی محمد لون کی کئی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ۱۹۶۲ء کے بعد باضابطہ تھیٹر ڈراموں کے مقابلے شروع کیے گئے اس طرح سے وادی کے اطراف واکناف میں مختلف ڈرامہ کے کلب وجود میں آگئے اس دوران جو یادگار ڈرامے سٹیج ہوئے ان میں پشکر بھان کا ''گرینڈ ریہرسل'' علی محمد لون کا تقدیر ساز'' اوتار کرشن رہبر کا ''بہ چھس ژور'' موتی لعل کیموہ کا ''ژھائے'' محمد احسن احسن کا ''اکہ نندُن'' مکھن لال صراف کا ''کس لوگ داوس'' اور سجود سیلانی کا ''کاشہِ تارُک'' قابل ذکر ہیں۔[۱۲]

ستر کی دہائی میں بھی وادی میں بہت سے سارے تھیٹر گروپ نمودار ہوئے۔ ریڈیو کشمیر کی معاونت سے بہت سے ڈرامے کلب خاصے مشہور ہوئے۔ ریڈیو کشمیر نے جن ڈرامہ لکھنے والوں کو عوام سے متعارف کروایا وہ تھیٹر کے لیے بھی لکھتے رہے۔ سری نگر میں ٹی سنٹر کا قیام اگر چہ تھیٹر کے لیے ایک دھچکا تھا مگر پھر بھی کئی شوقیہ اور لوک تھیٹر گروپ برابر کام کرتے رہے۔ اس دوران شہر سری نگر کے علاوہ بارمولہ، حاجن، صفاپور اور اننت ناگ میں تھیٹر تحریک متحرک رہی۔

۱۹۸۲ء میں الہ آباد میں ایک ایک قومی سطح کے سالانہ تھیٹر میلے کا انعقاد کیا گیا۔ وادی کشمیر سے محبوب کلچرل سوسائٹی بارمولہ، وہاب ڈرامٹک کلب حاجن اور مانسبل ڈرامٹک کلب صفاپورہ کے فنکاروں نے اس میلے میں شرکت کی۔ الہ آباد سے یہ لوگ تھیٹر کے ایک نئے تصور کے ساتھ وارد کشمیر ہوئے اس کے بعد کشمیری تھیٹر میں جو بھی نئے تجربے ہوئے وہ الہ آباد تھیٹر میلے کی ہی دین ہیں۔ ۱۹۸۹ء تک کشمیر کی تھیٹر تحریک اپنے جوبن پر رہنے کے بعد بدلتے حالات کے پیش نظر کئی برس تک ماند پڑ گئی۔

۱۹۹۵ء کے بعد ریاستی کلچرل اکادمی، ریڈیو کشمیر سری نگر اور تھیٹر کے بہی خواہوں نے کشمیری تھیٹر میں دوبارہ جان ڈالنے کی کوشش کی۔ کشمیر کے تمام تھیٹر ایسوسی ایشن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ ایسوسی ایشن کے ذمہ داران میں ڈاکٹر عزیز حاجنی، محمد امین بٹ، نثار نسیم، مشتاق علی، قاضی فیض، بشیر دادا، مسعود منتظر، طلحہ جہانگیر اور نذیر جاوید وغیرہ شامل تھے۔ کشمیر تھیٹر ایسوسی ایشن اگرچہ خود زیادہ دیر تک نہ چل سکی مگر یہاں کے تھیٹر گروپوں کو متحرک کرانے میں مذکورہ ایسوسی ایشن کا ایک اہم رول رہا ہے۔

۱۹۸۲ء سے آج تک ایسے کشمیری ڈرامے بھی لکھے گئے ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر لکھے گئے ڈراموں کے مد مقابل بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ کشمیر کے تجربہ کار ڈرامہ نویسوں کے ساتھ ساتھ ایک نئی پود بھی سامنے آ گئی ہے جن کے قلم سے اعلیٰ پایہ کے ڈرامے منظر عام پر آنے لگے ہیں۔ جس کی مثال اکیسوی صدی کے دوسری دہائی سے دی جا سکتی ہے کیوں کہ پہلی دہائی میں اس صنف پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی مگر یہ بات قبل غور رہے کہ یہ کمرشل ڈرامے ہیں جن کو ٹی وی پر دیکھایا جاتا ہے۔

کشمیری تھیٹر کی روایت صدیوں پرانی ہے مگر گزشتہ دہائیوں میں خاص کر ۱۹۹۰ء کے بعد سیاسی حالات اور تحریک آزادی کشمیر کے دوران یہ کافی متاثر ہوئی ہے جس کی بحالی نو کے لیے تحریک کا آغاز ہوا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی حال ہی میں عالمی یوم تھیٹر کے موقعہ پر کشمیری زبان میں ''راز ریشی ونک''، یعنی ریشی بن بادشاہ''[۱۳] کے عنوان سے ایک اسٹیج ڈرامہ پیش کیا گیا، جس میں جنگلی جانوروں کے روپ میں مختلف کردار پیش کیے گئے ہیں۔ نثار نسیم کا تحریر کردہ یہ ڈرامہ کمرشل تھیٹر کی بجائے اسٹیج ڈرامہ ہے جس کے ذریعے سماج پر طنز کے نشتر چلائے گئے ہیں۔ ''راز ریشی ونک کے علاوہ ایک اور تھیٹر ڈرامہ ''پگا شولی دُنیا'' کے نام پیش کیا گیا ہے اس سلسلے میں نثار نسیم لکھتے ہیں:

> ''آج کے الیکٹرانک دور، جس میں ٹی۔وی چینلز کی بھرمار ہے، نوجوان نسل کو تھیٹر کی طرف راغب کرنے کے لیے ایسے ڈرامے پیش کرنے کی از حد ضرورت ہے جو لوگوں کے مسائل و

مشکلات کی ترجمانی کرتے ہوں۔ تاکہ گذشتہ دور میں جو کشمیری تھیٹر نامساعد حالات کی وجہ سے متاثر ہو چکا ہے اُس کو دوبارہ بحال کیا جا سکے۔''[۱۴]

کشمیری تھیٹر کو بحال کرنے کے لیے ریاستی کلچرل اکیڈمی نے ''سیکرٹ پلان'' نامی ایک ڈرامہ پیش کیا۔ اس اکیڈمی ایک شانہ بشانہ ایک اور دلشاد کلچرل فورم بھی اس صنف کو بحال کرنے کی کاوشیں کر رہی ہے۔ کلچرل اکیڈمی کے سکریٹری خالد بشیر کے علاوہ ہدایت کار محمد امین بٹ، مشتاق علی احمد اور مشتاق کاک کا مستقبل قریب میں مزید سات اور تھڑ یکل ڈرامے پیش کرنے کا ارداہ ہے۔[۱۵]

اب دیکھنا یہ کہ جس کشمیری تھیٹر کی روایت کو اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بلکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اُس کو دوبارہ بحال کرنے کی ایک سعی موجودہ صدی کی دوسری دہائی میں کی جا رہی ہے وہ کس حد تک آئندہ وقت میں اپنی ساکھ برقرار رکھ سکے گی یا پھر پہلی دہائی کی طرح ایام گردش کی نظر ہو جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دیکھنے والوں یعنی شائقین کا نقطہ نظر ہی بدل جائے کیوں کہ آخر کار حتمی فیصلہ تو وہی کرتے ہیں۔ شائقین کے بغیر تھیٹر خود کو کیسے بحال و برقرار رکھ سکتا ہے؟

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ امتیاز علی تاج، اُردو کا پرانا تھیٹر نقوش (خاص نمبر) شمارہ ۱۰۶، لاہور اکتوبر، نومبر، دسمبر، ۱۹۶۶ء ص۔۹

۲۔ اشوک جیلخانی، تھیٹر ایک تعارف، سری نگر، ۲۰۱۵ء ص ۱۱

۳۔ ایضاً، بحوالہ راج ترنگنی، ص ۱۹

۴۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ کا شاہی اسٹیج، کتاب نگر، دین دیال روڈ لکھنو، ۱۹۵۶ء ص ۱۵

۵۔ ڈاکٹر یوسف بخاری، مختصر تاریخ زبان وادب کشمیری، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء ص ۳۶۴

۶۔ بحوالہ پاکستان میں اُردو جلد پنجم، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اُردو، ص، ۲۵۸

۷۔ ڈاکٹر برج پریمی، جموں وکشمیر میں اُردو، مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور، س ن، ص ۲۲

۸۔ ڈاکٹر یوسف بخاری، کاشر ڈرامہ، کاشر کلچرل اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۷

۹۔ رسالہ آئینہ ادب، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی (مضمون: کشمیر زبان وادب از غلام احمد کشفی)، ص ۲۰۸ء

۱۰۔ اشوک جیلخانی، تھیٹر ایک تعارف، سری نگر، ۲۰۱۵ء ص ۶۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۲۔ ڈاکٹر یوسف بخاری، کاشر ڈرامہ، کاشر کلچرل اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۲ تا ۳۸

۱۳۔ کشمیر عظمیٰ، سری نگر انٹرویو طارق علی میر

۱۴۔ ایضاً، تبصرہ نثار نسیم

۱۵۔ ایضاً، کلچرل اکیڈمی